دفع الإيهام في نسبة السب

إلى خير الأنام ﷺ

کیا نبی ﷺ نے ماں بہن کی گالی دینے کی اجازت دی؟

(سلمان ندوی صاحب کے ایک مغالطہ کا جائزہ)

تحریر: حافظ عبدالحسیب عمری مدنی حفظہ اللہ

تقریظ: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس حفظہ اللہ
(مدرس حرم مکی)

ناشر: مرکز دار الہدیٰ، اڈپی، ہند

سلسلہ مطبوعات 10 مرکز دار الہدیٰ اڈپی

دفع الإيهام
في
نسبة السب إلى خير الأنام

کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماں بہن کی گالی دینے کی اجازت دی؟

(سلمان ندوی صاحب کے ایک مغالطہ کا جائزہ)

تحریر

حافظ عبدالحسیب عمری مدنی

تقریظ

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر وصی اللہ بن محمد عباس حفظہ اللہ

(مدرسِ حرمِ مکی)

مرکز دار الہدی، اڈپی

© جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : **دفع الإيهام في نسبة السب إلى خير الانام**

کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماں بہن کی گالی دینے کی اجازت دی؟

تحریر : حافظ عبد الحسیب عمری مدنی

تقریظ : فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر وصی اللہ بن محمد عباس حفظہ اللہ (مدرسِ حرمِ مکی)

صفحات : 48

ایڈیشن : دوم 2021ء

تعداد : 2000

طباعت : الہدیٰ پبلیکیشنز، دہلی

ناشر : مرکز دارالہدیٰ، اڈپی، کرناٹک (انڈیا)

Email: dar_ul_hudaudupi@yahoo.com

Web: www.darulhudaudupi.org

ملنے کا پتہ

DAR-UL-HUDA CHARITABLE TRUST®

#1, First Floor, Himalay Pearl, Udupi - Manipal Road

Kadiyali, Udupi, Karnataka - India, Pin: 576102

Cell: +91 9945565905

فہرست

عناوین	صفحہ نمبر
اپنی بات	4
تقریظ	6
تمہید: کب کیا ہوا؟	8
یہ مسئلہ سنگین کیوں ہے؟	13
حدیثِ رسول کی روایت اور بیان میں یہ احتیاط کیوں؟	19
حدیث کی تخریج اور اس کا حکم	25
حدیث کا معنی و مفہوم	28
مغالطے: مجھے خوف آتشِ گل سے ہے یہ کہیں چمن کو جلا نہ دے	39
❖ پہلا مغالطہ	40
❖ دوسرا مغالطہ: کیا یہ گالی ہے؟	43
❖ تیسرا مغالطہ: کیا اس حدیث کے مفہوم میں ماں بہن کی گالی والی بات ہے؟	45
خاتمہ	47

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنی بات

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على النبي الكريم وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم إلى يوم الدين وبعد:

زیر نظر رسالہ دراصل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت اور آپ کی سنت کے دفاع کے سلسلے میں ایک فرض کی ادائی کی کوشش ہے۔ ملک کی معروف اور بہت ساروں کی نظر میں متنازعہ شخصیت سید سلمان ندوی صاحب نے اپنی ایک تقریر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ایک انتہائی بے بنیاد بات منسوب کی کہ(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماں بہن کی گالی دینے کا حکم دیا) جس کا تقاضا تھا کہ اہل علم کی جانب سے فوری طور پر اس کا ازالہ کیا جاتا' مگر ان کی طرف سے اس دریدہ دہنی کا اظہار کیے ہوئے ایک مدت گزر گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کی گئی ایک غلط بات ویسے ہی رہ گئی اور اس کا ازالہ اہل علم کی طرف سے اب تک نہیں کیا گیا۔ اس لیے دیر سے سہی اس فریضہ کو نبھانے کے مقصد سے لکھی گئی یہ تحریر آپ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

کتاب کے عنوان سے متعلق غور وخوض کے بعد'' کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماں بہن کی گالی دینے کی اجازت دی؟'' یا'' دفع الإيهام في نسبة السب إلى خير الأنام '' ہی کو بطور عنوان اختیار کرنا مناسب سمجھا گیا۔ ندوی صاحب کا دعوی تو یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورہ بالا گالی دینے کا حکم دیا ہے' لیکن میں نے اجازت والی تعبیر پر اکتفا کرلیا ہے ۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کسی سنت کو زندہ کرنے والے امتی کو بڑی ہی عظیم بشارت سنائی ہے۔فرمایا: ''من أحيا سنتي فقد أحبني ومن أحبني كان معي في الجنة'' ''جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔''(رواہ الترمذي وحسنہ)

کسی حدیث کے مفہوم میں واقع ہونے والی غلطی یا تبدیلی کی اصلاح یا معنی میں کی گئی تحریف کا رد کرنا بھی سنت کو زندہ کرنے کی ایک شکل ہے۔اللہ سے امید ہے اور دعا بھی کہ اللہ تعالی اس ادنی سی کوشش کو محض اپنی رضا اور خوشنودی کے لیے قبول فرمالے۔آمین

میں شکر گزار ہوں عالم اسلام کی مایۂ ناز علمی شخصیت حرمِ مکی کے مدرس فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر وصی اللہ عباس حفظہ اللہ کا کہ آپ نے اپنی مصروفیات کے باوجود اس رسالہ کے ایک ایک لفظ کو پڑھا اور اس کی توثیق فرمائی۔زبانی طور پر بے شمار تشجیعی کلمات سے نوازا اور ساتھ ہی اپنی تقریظ بھی روانہ فرمائی۔اس طرح اس رسالہ کو علمی وقعت اور اعتبار عطا فرمایا۔ جزاه الله خيرا ما يجزي به عباده المحسنين ومتعنا بطول حياته' امين.

حافظ عبدالحسیب بن عبدالعلیم

۴ ربیع الآخر ۱۴۴۱ھ

مکہ مکرمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

از

ڈاکٹر وصی اللہ بن محمد عباس مدرس مسجد حرام مکہ مکرمہ حفظہ اللہ

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على خير خلقه محمد وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد :

فاضل محترم مولانا عبدالحسیب العمری المدنی حفظہ اللہ نے مولانا سلمان ندوی کی بکواس کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماں بہن کی گالی دینے کی اجازت دی ہے'' سے متعلق ایک مختصر مگر جامع رسالہ مرتب کیا ہے' اور جس حدیث سے سلمان صاحب نے استدلال کیا ہے اس کی تخریج و تحقیق کی' اس کے لغوی' شرعی اور عرفی معانی کی توضیح کی ہے، اور اپنی اس کاوش کا نام ''دفع الإيهام في نسبة السب إلى خير الأنام'' رکھا۔

یہ بڑا وقیع اور قیمتی رسالہ ہے۔ اللہ تعالی عمری صاحب کا علمی مرتبہ بلند فرمائے۔ خالص محب رسول اور متبع سنت ہی کا یہ کام ہوسکتا ہے جس نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منہج سلف کے مطابق پڑھا ہو اور پڑھاتا ہو' اور ایسا ہی آدمی جس نے خالص دین پر اپنی زندگی گزارنے کا فیصلہ کر رکھا ہو، خواہ وہ عامی ہو یا عالم، تمام قسم کی بدعات: فکری بدعت جس کا نام ''اسلامی فکر'' رکھا جاتا ہے' تصوف اور تعصب مذہبی وغیرہ سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

مولانا عبدالحسیب نے بڑے علمی وقار کے ساتھ اس حدیث کے معنی اور مفہوم کو واضح کیا ہے اور ناموس رسالت پر آئی آنچ کے ساتھ لوگوں کے اذہان سے خلش بھی دور کی ہے۔

کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس وقت اس قسم کے مسائل سے مسلمانوں میں اتحاد کی بجائے اختلاف بڑھے گا، تو جان لینا چاہیے کہ ناموس رسالت کی پاسداری کسی بھی مصلحت سے بڑھ کر ہے۔ اسے اپنے حق میں خیر خواہی سمجھ کر قبول کر لینا چاہیے۔ ہمارے درمیان اس توضیح وتصحیح سے اختلاف وعداوت نہیں ہونی چاہیے۔

کتبہ

وصی اللہ بن محمد عباس

مکۃ المکرمۃ

۲۴ر شوال ۱۴۴۱ھ

تمہید: کب کیا ہوا؟

۷ / مارچ ۲۰۱۴ء کو سعودی عرب نے عرب ممالک بلکہ عالم اسلام کی مشہور و معروف تنظیم "الاخوان المسلمون" پر دہشت گردی اور سعودی عرب کے داخلی امن وامان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کے الزامات کے تناظر میں پابندی عائد کردی، اور اس تنظیم سے کسی بھی قسم کے تعلق کو ملک مخالف سرگرمیوں میں شامل کر دیا۔

(سعودی عرب اور الاخوان المسلمون - ماضی حال اور مستقبل) ایک ایسا موضوع ہے جس پر غیر جانبدارانہ مطالعہ موضوع کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کرنے میں معاون ہوگا اور اس سلسلے میں ایک متوازن رائے قائم کرنے کی راہ میں صحیح قدم بھی۔ مگر ہوا یہ کہ سعودی عرب کے اس اقدام نے عالم اسلام کے اندر ایک ہلچل مچادی۔ اس فیصلے کے فوری بعد لوگوں نے اپنی اپنی فکری یا مادی مفاد پر مبنی وابستگیوں کے مطابق سعودی عرب کے اس اقدام کی تائید یا تردید کے لیے تحریر و تقریر کے میدان میں ایک ایسی جنگ چھیڑ دی جس کی ابتدا تو ہوئی ہے مگر انتہا کہاں جا کر ہوگی اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

سید سلمان حسینی ندوی ہند و بیرون ہند میں ایک معروف نام ہے۔ سادات کے خاندان سے نسبت، حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ سے رشتہ داری، ملک کے معروف ادارہ دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریس، ماضی قریب میں وقتاً فوقتاً مختلف ملی و دینی مسائل میں اپنے موقف اور خود اپنے آپ میں کئی ایک خوبیوں کے مالک ہونے کی وجہ سے سارے ملک میں آپ کے جاننے والوں اور بہت سے مقامات پر آپ کے چاہنے اور ماننے والوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔

سلمان ندوی صاحب چونکہ نظریاتی طور پر تحریکی فکر سے وابستگی رکھتے ہیں اور ملک

وبیرون ملک تحریکی شخصیتوں سے گہرے مراسم بھی رکھتے ہیں۔ ساتھ ہی ایک جذباتی مزاج رکھتے ہیں اس لیے سعودی عرب کے اس اقدام پر نہ صرف یہ کہ چراغ پا ہوئے بلکہ آپے سے باہر ہوکر سعودی عرب کے حکمرانوں کو بے نقط سنا دیا اور مسلسل سناتے چلے آرہے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ اختلاف کی شدت نے اس حد تک جذباتی بنا دیا ہے کہ آگے بڑھ کر سعودی عرب کے حکمرانوں کو کافر تک قرار دے دیا۔ عمان میں کیے گئے ایک خطاب میں صریح الفاظ میں سعودی حکمرانوں کی تکفیر کرتے ہوئے ان کا ایک ویڈیو سوشل میڈیا پر عام بھی ہوا تھا۔

(سعودی عرب اور اسکے حالیہ داخلی وخارجی سیاسی وسماجی اقدامات) - (الاخوان المسلمون اوراس کے افکار ونظریات) - یا - (سید سلمان ندوی صاحب کی شخصیت اور ملکی وبین الاقوامی وملی مسائل میں ان کا عملی کردار) - ان میں سے کوئی بھی سرِ دست ہمارا یا اس تحریر کا موضوع نہیں ہے۔ ہمارا مقصود دراصل اسی پس منظر میں تقریبا ایک ڈیڑھ سال قبل ہندوستان کے معروف شہر لکھنؤ میں کیے گئے ندوی صاحب کے ایک خطاب کے دوران خود سلمان ندوی صاحب کی زبانی چھیڑا گیا ایک انتہائی حساس اور نازک مسئلہ ہے۔

عرب حکمرانوں کو سخت سست کہنا اور وقت بے وقت ان کو اپنی تقریر وتحریر میں نشانہ بنانا سلمان ندوی صاحب کا معمول ہے۔ عرب دنیا میں جو مقبولیت حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ کو حاصل تھی شاید سید سلمان ندوی صاحب خود کو ان کا جانشین تصور کرتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں بھی وہی حیثیت حاصل ہے۔ اس پر مستزاد تحریکی وابستگی نے ان کے عرفانِ نفس کے اس سرور کو یا خود فریبی کے اس نشہ کو دو آتشہ بنا دیا ہے۔ اس لیے ایک مرتبہ پھر عرب حکمرانوں کے حوالے سے شعلہ بار خطاب کوئی نئی بات نہ تھی مگر لکھنؤ کے مذکورہ خطاب میں انہوں نے ایک ایسی بات کہہ دی جو ندوی صاحب کو قریب سے جاننے والے ملک کے سنجیدہ طبقہ کے لیے بھی غیر متوقع تھی اور موافق ومخالف دونوں میں سے اکثریت کے نزدیک ناقابل قبول بھی۔ بات نکلی تو تھی حکمرانوں کی، مگر جانے انجانے میں خطیب کے خطبہ میں برستے

انگاروں نے خرمنِ حق میں بھی آگ لگا دی۔ ناموسِ رسالت کو بھی داغدار کیا، اور سیدی نسبت کو بھی شرمسار کیا۔ سلمان صاحب نے ایک ایسی بات نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر دی کہ جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ معاملہ اسی پر نہیں رکا کہ دوران خطاب جذبات کی رو میں ایک بات ندوی صاحب کی زبان پر آ گئی اور بات ختم ہو گئی بلکہ اسے سوشل میڈیا پر بھی خوب پھیلایا گیا۔

ندوی صاحب نے ایسی کیا بات کہہ دی؟؟ آپ خود ملاحظہ فرمائیں، خطاب کا ایک کلپ جو عام ہوا اس کو ہو بہو حرف بحرف نقل کیے دیتے ہیں:

(..............اپنے دیناروں، اپنے ڈالروں، اپنے درہموں، اپنی وسیع زمینوں اور اپنی آبادیوں کے باوجود وہ کردار ادا کر رہے ہیں جس کے لیے الفاظ سوائے گالی کے اور کچھ نہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: اگر تم سنو کہ کوئی جاہلیت کا نعرہ لگائے تو اسے ماں بہن کی کھلی گالی دو! یہ فرمایا تھا: ''فإن تعزى أحد بعزاء الجاهلية فأعضوه بهن أبيه ولا تكنوا'' حضور فرما رہے ہیں -جن سے زیادہ بااخلاق اور شرمیلا اور حیادار کوئی انسان نہیں- وہ فرما رہے ہیں: جو جاہلیت کے نعرے لگائے، آپس میں تفریق کرے، اور دشمن سے دوستیاں رچائے اور اپنوں پر ہاتھ ڈالے، اور جو اہل علم اور اہل دین ہیں ان کے پیچھے پڑے، ان کا تعاقب کرے، جو اس طرح کے کردار کا حامل ہو اور جاہلیت کے نعروں کی بات کرے، فرعونیت کا نعرہ لگائے، قبیلے کا نعرہ لگائے، علاقائیت کا نعرہ لگائے، مسلکوں کی بنیاد پر تفریق کر کے امت کو توڑے، فرمایا کہ اسے صریح ماں بہن کی گالی دو!........آپ کو یہ اجازت ہے۔ ان تمام! ان تمام بے غیرت اور خبیث حاکموں کو ماں بہن کی گالی دیجیے جنھوں نے جاہلیت کو اسلام کے بدلے لیا، جنھوں نے دوسروں کے قانون کو شریعت کے بدلے اختیار کیا، جنھوں نے اسلامی غیرت کے بدلے بے عزتی و بے حمیتی کو اختیار کیا، ان کے بھائی اور ان کی بہنیں روزانہ بموں کی شکار ہو رہی ہیں، بوڑھا شیخ یاسین بموں سے چور کر دیا گیا،

عبدالعزیز رنتیسی! بموں سے اس کے جسم کے چیتھڑے اڑا دیئے گئے اور بے غیرت......)

ندوی صاحب کی تقریر کا یہی اقتباس مل سکا جسے لکھنوء کے ماسٹر کیسیٹس کمپنی، سوپر مارکیٹ، ناکہ ہنڈولہ نے ریکارڈ کیا اور پھیلایا ہے۔ خطاب کا مذکورہ حصہ ہی فی الوقت دستیاب ہوسکا مگر یہ ادھورا اقتباس بھی ہمارے مدعا کو بیان کرنے کے لیے کافی ہے۔

اس خطاب میں ندوی صاحب نے جو کچھ کہا ہے اس میں سب سے زیادہ تشویشناک بات یہی تھی کہ ''نبی ﷺ نے ایسے حکمرانوں کو ماں بہن کی گالی دینے کا حکم دیا ہے''۔ ایک تو نبی ﷺ کی طرف گالی دینے کے حکم کی نسبت فی نفسہ بڑی ہی خطرناک بات ہے، کیوں کہ نبی ﷺ نے جھگڑے کے دوران گالی گلوچ کرنے کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے: ''أربع من كن فيه كان منافقا خالصا...... وإذا خاصم فجر'' چار خصلتیں ایسی ہیں جس کے اندر بھی اکٹھا ہو جائیں وہ پورا منافق ہوگا........ اور جب جھگڑا کرے تو بدزبانی کرے (متفق علیہ) تو پھر آپ ﷺ خود کسی کو گالی دینے کا حکم کیسے دے سکتے ہیں؟؟ مگر یہی بات اگر 'ماں بہن کی گالی' کے ساتھ ہو تو نعوذ باللہ انتہائی گھناؤنی بات بن جاتی ہے۔

تاہم حیرت کی بات ہے کہ اس خطاب کو خوب عام کیے جانے کے باوجود کسی طرف سے اس کا نوٹس نہیں لیا گیا۔ سوشل میڈیا پر چند عام مسلمانوں نے اپنی غیرت کا اظہار کیا اور نبی ﷺ کی طرف اس بات کی نسبت پر سوال اٹھائے، بلکہ بعض نے اپنے طور پر کہہ بھی دیا کہ یہ نبی ﷺ کی بات ہو ہی نہیں سکتی مگر وہیں چند لوگ اس سلسلے میں ندوی صاحب کی بیان کردہ ایک حدیث کی آڑ لے کر سلمان ندوی صاحب کا دفاع بھی کرتے نظر آئے۔ یہ وقتی ردعمل تو سامنے آیا مگر علما و اہل علم کی طرف سے اس پر کسی قسم کی رد و قدح دیکھنے میں نہ آئی (بعد میں پتا چلا کہ برادر گرامی قدر کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ نے اس کے رد میں ایک ویڈیو بنوا کر نشر کیا تھا)۔ اس خاموشی کا سبب اگر یہ تھا کہ سوشل میڈیا پر عام ہونے کے باوجود یہ بات سنجیدہ اہل علم کے علم میں نہیں آئی تھی تو پھر ٹھیک ہے کہ لاعلمی ایک عذر ہے، یا پھر وجہ یہ تھی کہ غیر ارادی طور

پرندوی صاحب کی زبان سے چند کلمات بے ساختہ نکل آئے جوان کا مقصود نہیں تھے تو انہیں معذور سمجھ لیا گیا، تب بھی یہ معقول ہے کہ شبہ کا فائدہ ندوی صاحب کو دے کر معاملہ رفع دفع کر دیا گیا اور اگر بات یہ تھی کہ بعض اہل علم کو معلوم تو ہوا مگر چونکہ ایسی جرأت کرنے والے اور ایسی بات کہنے والے فلاں اور فلاں تھے جن کے فرمودات کی نفی بڑی جرأت کا کام ہے، جو ہم سے نہ ہو سکا، تو پھر دینی معاملات اور مصالح میں شخصیت پرستی کا یہ رجحان اور طرز عمل انتہائی خطرناک ہے۔ یہ طریقہ اہل علم کو زیب نہیں دیتا۔ یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی بنی اسرائیل کا وہ مکروہ طرز عمل تھا جس کی وجہ سے ان پر اللہ تعالی کی لعنت اتری اور وہ دھتکارے گئے:

إنما أهلك الذين قبلكم أنهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف تركوه وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحد.

''تم سے پہلے والوں کو اسی چیز نے ہلاک کیا کہ ان میں کوئی شریف اور عزت دار چوری کرتا تو چھوڑ دیتے اور اگر ان میں سے کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔'' (متفق علیہ)

امت محمدیہ کے علماء کا کردار تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بتلایا ہے:

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله، ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتأويل الجاهلين.

ترجمہ: ''ہر بعد میں آنے والی نسل میں سے بہتر لوگ اس علم کے حامل بنیں گے جو اس دین میں انتہا پسندوں کی طرف سے ہونے والی تحریفات' باطل پرستوں کی ایجادات اور جاہلوں کی تاویلات کو دور کریں گے۔'' (البیهقی: صححه الألبانی: تخریج المشکاة: ۲۴۸)

بنا بریں یہ اہل علم کی ذمہ داری بنتی ہے کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی گئی اس غلط نسبت اور ایسی غلط بیانی کا نوٹس لیں، اور قرار واقعی اقدام کریں ورنہ خردمندوں کی یہ احمقانہ جرأتیں بعد میں دیگر لوگوں کے لیے نمونہ بن جائیں گی اور پھر دین بازیچۂ اطفال......!

یہ مسئلہ سنگین کیوں ہے؟

دین اسلام رب العالمین کا بھیجا ہوا آخری دین ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انتھک کوشش اور بے مثال قربانیوں اور حد درجہ فکرمندی کے ذریعہ امت تک پہنچایا اور اس کے ایک ایک جزء کو سنوارا اور نکھارا۔ آسمان سے آئے سامان ہدایت کا یہ آخری نمونہ تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنی امت کے حوالے کر دیا اور دنیا سے رخصت ہونے سے قبل قرآن وحدیث کی شکل میں اسے محفوظ کرا دیا، ان کی حفاظت کے جتن کرا دیے اور ان کی حفاظت کے سلسلے میں امت کے سامنے ایسے رہنما خطوط متعین فرما دیے کہ جن پر چل کر امت نے ان دونوں بنیادوں کے تحفظ کا سامان کر لیا۔

ساتھ ہی امت کو یہ بھی سمجھا دیا کہ دین کی اساس یہی دو چیزیں ہیں: قرآن وحدیثِ رسول دین کی بنیاد ہیں، دین کے بنیادی مصادر ہیں۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دو حقیقتیں بڑی وضاحت کے ساتھ امت کے سامنے رکھ دیں:

۱) دین قرآن وسنت ہے۔

۲) قرآن کے ساتھ سنت وہی معتبر ہے جو مستند ہو۔

یہ بات انتہائی اہم اور نازک ہے کہ یہ دو بنیادی حقیقتیں اور ان کا پاس ولحاظ رکھنا ایک طرف دین کے تحفظ کی ضمانت ہیں تو دوسری طرف یہی دونوں بنیادیں دین میں خلل پیدا کرنے والے یا دین کے حوالے سے لوگوں کا استحصال کرنے والے بدخواہوں یا گمراہوں کے نشانہ پر بھی رہی ہیں جنھوں نے کبھی ان کی شرعی حیثیت اور ان کی دلالت پر سوال اٹھائے تو کبھی اپنی بات کو اسی قرآن وسنت کی بات بتلانے اور من کی بات کو دین کی بات ثابت کرنے

کی ناروا کوشش کی۔

امت مسلمہ کے عوام وخواص کے نزدیک یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اب دین کے نام پر کچھ بھی بیان ہو تو اسی کتاب وسنت کے حوالے سے بیان ہوگا' جسے دین قرار دیا جائے۔ قرآن وسنت میں اس کی اصل موجود ہونی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت تو اہل سنت ہیں، آج اہل بدعت بھی اپنی بات کو دینی رنگ دینا چاہتے ہیں تو انہیں بھی اپنی بات قرآن وسنت کے حوالے سے ثابت کرنی پڑتی ہے۔ اہل بدعت کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ پہلے پہل بدعت کا آغاز بے دلیل کرتے ہیں مگر بہت جلد انہیں قرآن وسنت کے دلائل تلاشنے اور تراشنے پڑ جاتے ہیں۔ اکثر بدعتوں کے سلسلے میں ان کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ آباواجداد کے حوالے دیتے یا ثواب کی نیت کا بہانہ بناتے ہیں مگر پھر قرآنی آیات اور احادیثِ رسول کا حوالہ دینا ان کی مجبوری بن جاتی ہے۔

اہل بدعت کو یہ طرز عمل اس لیے بھی اپنانا پڑتا ہے کہ انہیں اس حقیقت کا کلی ادراک ہے کہ مسلم عوام کے سامنے جب کوئی بات قرآن وسنت کے حوالے سے پیش کی جاتی ہے تو وہ بے ساختہ ٹوٹ پڑتے ہیں اور اسے قبول کرنے میں تردد کا شکار نہیں ہوتے۔

اہل بدعت تو اہل بدعت ہیں' ایسی مثالیں بھی تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ رکھی ہیں کہ بسا اوقات خود اہل سنت میں سے بعض نادانوں نے فقہی مسائل میں بھی یہ روش اختیار کی کہ اپنے مسلک کی تائید یا دوسرے مسلک کی تردید میں حدیثیں گھڑیں یا ان میں ردوبدل کیا۔ جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے۔

قرآن وسنت کی استنادی وشرعی حیثیت سے متعلق مذکورہ بالا حقائق اور عوام الناس اور گم کردہ راہوں کا طرز عمل سے متعلق یہ ساری صورت حال ہمارے سامنے اس بنیادی اصول کو مزید مضبوط کردیتی ہے کہ **جب کبھی کسی کو حدیث رسول کا حوالہ دیتے دیکھیں تو عقیدت کے کانوں سے سننے یا تقدس مآب شخصیات کے ظاہر کو دیکھ کر آنکھ موندتے ہوئے مان لینے والی**

روش نہ اپنائیں۔

یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین نے امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ محض قرآن وسنت کا نام سن کر آنکھ بند کر کے کسی کی بات قبول نہ کی جائے اور نہ ہی کسی کی کہی بات پر اندھا دھند اعتماد کیا جائے۔ دین کے باب میں کم از کم اتنی احتیاط ضرور کی جائے کہ جب کوئی غیر معمولی بات سامنے آئے تو آدمی مکمل تحقیق کر لے، کیوں کہ وہ دن گئے جب صحابہ کی طرح لوگ صرف سچ ہی بولا کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وہی بات منسوب کرتے تھے جو واقعتاً نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہوتی۔

ذیل میں صحابہ کرام میں سے بعض کا عملی نمونہ ملاحظہ فرمائیں- دھیان رہے کہ یہ وہ صحابہ ہیں جنھوں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، سنا اور آپ کی صحبت سے اس قدر مستفیض ہوئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کی جانے والی باتوں میں سے اکثر باتوں کو اپنے ذاتی تجربہ کی بنیاد پر پرکھ سکتے تھے اور اپنی اپنی بصیرت سے بتا سکتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی کوئی بات کہی ہوگی کہ نہیں، مگر ان کا عملی نمونہ جو انہوں نے امت کے لیے چھوڑا، یہ ہے:

مسند بزّار میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے ایک حدیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی جو انہوں نے کسی اور صحابی کے توسط سے سنی تھی۔ پوچھنے والے نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا یہ بات آپ نے بذات خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نعم أو حدثني من لا يكذبني إنا والله ما كنا نكذب ولاندري ما الكذب.

''ہاں! یا پھر مجھ سے ایسے شخص نے بیان کیا ہے جو مجھ سے جھوٹ نہیں بولے گا۔ قسم اللہ کی! ہم لوگ نہ تو جھوٹ بولتے تھے اور نہ ہی یہ جانتے تھے کہ جھوٹ کیا ہوتا ہے۔'' (البحر الزخار: ۱۳/ ۴۸۲، رقم: ۷۲۸۸)

یہ واقعہ اس دور کی تصویر ہے جب حدیث رسول صحابہ کرام کے ہاتھوں میں تھی۔ محفوظ تھی، مگر یہ صورت حال صحابہ کے آخری دور میں تبدیل ہونے لگی۔ صحابہ کے آخری دور میں عام مسلمانوں میں سے بہت سارے ایسے لوگ ظاہر ہوئے جنھوں نے صحابہ کے نقش قدم پر چلنے کی بجائے احادیث کے سلسلے میں دوسری ہی روش اپنائی۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے مقدمے میں یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ بشیر بن کعب حمیری حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس آئے اور بار بار قال رسول اللہ ﷺ کہنے لگے۔ ان کے بار بار اس طرح نبی ﷺ کا نام لینے کے باوجود حضرت ابن عباس نے ان کی طرف کان نہیں دھرا اور نہ ہی ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر بشیر نے کہا: اے ابن عباس! کیا بات ہے؟ آپ میری بات سن ہی نہیں رہے ہیں! میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنا رہا ہوں اور آپ بالکل بھی متوجہ نہیں ہو رہے ہیں؟ تب ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک وقت تھا جب ہم کسی کو قال رسول اللہ ﷺ کہتے سنتے تو ہماری نگاہیں اس پر جم جاتیں اور ہم ہمہ تن گوش ہو جاتے۔ پھر جب لوگ ہر طرح کی سواری کرنے لگے (یعنی بغیر تحقیق کے ہر طرح کی بات نبی ﷺ کی طرف منسوب کرنے لگے) تو ہم نے یہ اصول بنا لیا ہے کہ جس کی پہچان ہو جائے وہی بات لی جائے۔ (مقدمۃ صحیح مسلم)

مذکورہ اثر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس منہج کو بیان کیا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیثِ رسول کے سلسلے میں وجود پذیر بد احتیاطی یا بالقصد کی جانے والی غلطیوں کا مقابلہ کرنے کی خاطر بنایا تھا۔

اسی صورت حال کا نتیجہ تھا ابن سیرین رحمہ اللہ نے یہ تاکید فرمائی کہ علم حاصل کرنے سے پہلے آدمی یہ بھی دیکھ لے کہ وہ کس سے علم حاصل کر رہا ہے، یا کیا حاصل کر رہا ہے، کیوں کہ یہ علم برائے علم کا باب نہیں، یہاں تو آدمی اسی علم کی روشنی میں عمل کی راہ متعین کرتا ہے۔

إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم.

”یہ علم دین ہے لہٰذا یہ دیکھ لو کہ تم اپنا دین کس سے لے رہے ہو۔“

(الدارمی: ۱/ ۳۹۸، رقم: ۳۴۸)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بسا اوقات بعض حضرات کی سادگی یا ان کا طبعی میلان بھی موضوع اور من گھڑت روایات کے عام ہوجانے کا سبب بن جاتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ گھڑنے والا تو حدیث گھڑتا ہے مگر بعض بھولے لوگ اس گھڑی ہوئی بات کے ساتھ محض لفظِ حدیث کا لاحقہ دیکھ کر یا اس حدیث کے معنی کو اپنی منشا کے مطابق دیکھ کر بنا تحقیق آگے بیان کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس طرح ان کی سادگی یا ان کا اندھا اعتماد ایک من گھڑت بات کو ایک مستند حدیث کا درجہ دینے کا سبب بن جاتا ہے' حالانکہ ان کا مقصد حدیثِ رسول گھڑنا نہیں ہوتا۔

یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ کہا کرتے تھے:

لم نر الصالحين في شيء أكذب منهم في الحديث.

”ہم نے صالحین (نیک عبادت گزار لوگوں) کو حدیث رسول سے زیادہ کسی باب میں جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔“

امام مسلم نے اس اثر کو نقل کرنے کے بعد اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: یحیی دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جھوٹ ان کی زبانی عام ہو جاتا ہے، حالانکہ وہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتے۔ (مقدمہ صحیح مسلم)

مذکورہ بالا تمام آثار کی روشنی میں جو بات واضح ہوتی ہے وہ درج ذیل ہے:

۱۔ حدیثِ رسول کا باب احتیاط کا تقاضا کرتا ہے، بنا بریں اس کے بیان کرنے میں بھی آدمی کو اپنی استطاعت بھر پوری احتیاط برتنی چاہیے۔

۲۔ اہل بدعت اور باطل پرست اپنی بات کو منوانے کی خاطر اپنے مطلب کی باتیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں' تا کہ لوگ حدیثِ رسول کے دھوکے میں ان

کی اپنی بات کو قبول کر لیں۔

۳۔ بسا اوقات بہت سارے لوگ حدیثِ رسول میں دروغ گوئی کا شکار اس لیے بھی ہوجاتے ہیں کہ وہ حدیثِ رسول کے باب میں مطلوبہ احتیاط برتنے میں بعض ان صالحین کی طرح ناکام رہ جاتے ہیں جن کا مقصد حدیث میں جھوٹ بولنا نہیں ہوتا' البتہ ان کی غفلت ان سے جھوٹی روایتیں نقل کروا دیتی ہے۔

۴۔ عوام و خواص جب کبھی حدیثِ رسول کے نام پر کوئی بات سنیں تو محض بیان کرنے والے کی وجاہت یا سماج میں اس کی حیثیت کو دیکھ کر اس حدیث کو قبول نہ کر لیں' بالخصوص ایسی باتیں جن کو سن کر دل میں کھٹک پیدا ہوجائے۔ ایسی کسی بھی صورت میں فن کے ماہر علما اور متخصصین کی مدد سے حقیقت تک پہنچنے کی حتی المقدور کوشش کریں' اس لیے کہ حدیثِ رسول کا مسئلہ کسی شخصیت کے وقار و اعتبار سے بہت اونچا ہے۔

۵۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھی جائے کہ کسی بھی بات کو حدیثِ رسول قرار دینا دراصل اسے دین کا حصہ قرار دینا ہے۔ اگر واقعتاً وہ حدیث رسول نہ ہو تو پھر یہ دین میں اضافہ ہے جس کے نتیجہ میں اس حدیث سے متعلق دینی مسئلہ میں تبدیلی واقع ہوگی' اس طرح دین میں تحریف کا عظیم جرم سرزد ہوگا۔

حدیثِ رسول کی روایت اور بیان میں یہ احتیاط کیوں؟

حدیثِ رسول کی سماعت' اس کے قبول کرنے اور پھر روایت اور اسے بیان کرنے میں یہ احتیاط کیوں ضروری ہے؟؟ اس سوال کے جواب میں کئی ایک پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) سب سے پہلی وجہ جیسا کہ اوپر بات واضح کی گئی' حدیث رسول دین ہے' احتیاط نہ ہوئی تو جو بات دین کا حصہ نہیں ہے وہ دین بن جائے گی۔ اس کا مزید اثر یہ ہوگا کہ دین کی شکل بگڑ جائے گی' اس کا فطری حسن ختم ہو جائے گا' بلکہ ایسی ہی من گھڑت روایات کے پیش نظر مخالفین اسلام کو دین پر اعتراض کا موقع ملے گا' اور کبھی انہی من گھڑت باتوں کی وجہ سے دین بدنام بھی ہوگا۔

(۲) دین کے نام پر ایسی بے بنیاد حدیثوں پر عمل کرنے والوں کی محنت ضائع ہوگی۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کی وجہ سے جو غلط مفاہیم عام ہوں گے ان کے ازالے کے لیے لگنے والی محنت' صلاحیت اور پیسہ وغیرہ اللہ کے پاس تو اجر دلائیں گے مگر دوسرے ناحیہ سے دیکھیں تو حقیقت میں یہ ان سب چیزوں کا ضیاع ہوگا کیوں کہ انھیں دین کی مثبت راہوں پر لگنا چاہیے تھا مگر ان غلط کاروں کی وجہ سے یہ سب اس راہ پر لگ گئے۔

(۳) اہل باطل کو اپنے باطل کی ترویج میں مدد ملے گی بلکہ بڑی آسانی سے وہ کامیاب بھی ہو جائیں گے۔ جس بات کو وہ باطل کے نام پر رواج نہیں دے سکتے اس بات کو حدیثِ رسول کا نام اور مقام دے کر عام کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی الٰہی کی دوسری قسم ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

ترجمہ: وہ اپنی مرضی سے نہیں کہتے، وہ تو وحی ہوتی ہے جو ان پر اتاری جاتی ہے۔" (سورۃ النجم: ۳-۴)

حدیثِ رسول کی اسی شرعی حیثیت کا نتیجہ ہے کہ تاریخ اسلام میں بہت سارے ایسے افراد اور فرقے گزرے جنھوں نے اپنی رائے یا بدعت کو رواج دینے کے لیے حدیث رسول کی اس حیثیت کا غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور بہت ساری ایسی باتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب منسوب کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہی نہ تھیں، محض اس مقصد سے کہ اس نسبت کے نتیجہ میں شاید ان کی اپنی کہی ہوئی بات رواج پا جائے اور تقدس کی اس چادر کی آڑ میں انہیں اپنی مقصد برآری میں کامیابی مل جائے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے امتیوں کو متنبہ فرمایا:

إن الكذب علي ليس ككذب على أحد.

"مجھ پر جھوٹ باندھنا کسی دوسرے پر جھوٹ باندھنے یا اس کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے جیسا نہیں ہے۔"

(متفق عليه من حديث المغيرة بن شعبة)

کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کسی بات کی نسبت دراصل دین کی طرف نسبت ہے، دین میں اپنی طرف سے اضافہ ہے یا پھر دین میں تحریف ہے کہ اپنے مفاہیم کو دین میں جگہ دے دی اور اس طرح اس باب میں دین کی جو اصل تعلیم یا بات تھی وہ غائب کر دی اور یہ نئی بات اس کی جگہ لے لے گی۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ گھڑنے کی سخت وعید آئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار.

"جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔"

(متفق عليه من حديث المغيرة بن شعبة)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ گھڑنا ہی نہیں بلکہ کسی بھی من گھڑت اور موضوع روایت کے بیان کرنے کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے او پر جھوٹ گھڑنا قرار دیا ہے۔فرمایا:

من حدث عني حديثا يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين.

''جو کوئی ایسی حدیث روایت کرے جس کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ جھوٹ ہے تو ایسا شخص بھی جھوٹ گھڑنے والوں میں سے ایک ہے۔''

(مسلم فی المقدمة)

یہی وجہ ہے کہ اہل علم نے من گھڑت اور موضوع احادیث کے سلسلے میں اس کے موضوع اور گھڑے ہوئے ہونے کی وضاحت کے بغیر بیان کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا:

يحرم رواية الحديث الموضوع على من عرف كونه موضوعاأو غلب على ظنه وضعه فمن روى حديثا علم أو ظن وضعه ولم يبين حال روايته وضعه فهو داخل في هذا الوعيد مندرج في جملة الكاذبين على رسول الله ﷺ.

''جو شخص جانتا ہو کہ حدیث موضوع ہے یا اس کے موضوع ہونے کا غالب گمان ہو ایسے شخص کے لیے حرام ہے کہ وہ موضوع روایت کو بیان کرے۔اب اگر کوئی ایسی حدیث بیان کرے جس کے گھڑے ہونے کو وہ جانتا ہے یا اس کو غالب گمان ہے اور بیان کرتے وقت اس کے موضوع اور من گھڑت ہونے کو بیان نہ کرے تو وہ بھی اس وعید کا مصداق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ گھڑنے والوں میں شامل ہے۔''

(المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج للنووي: ۱/۷۱)

حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی نازک حیثیت کا نتیجہ ہے کہ سلف صالحین حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کرنے کے سلسلے میں حد درجہ احتیاط سے کام لیتے تھے، بالخصوص صحابہ کرام کا عملی نمونہ اس سلسلے میں انتہائی مثالی اور قابل تقلید ہے، باوجود یہ کہ انہوں نے بذات خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست سنا ہے مگر ان میں سے کئی صحابہ ایسے تھے جو بذات خود سنی ہوئی حدیث کو بھی سنانے سے گھبراتے تھے کہ مبادا کہیں کمی بیشی نہ ہو جائے اور وہ حدیث رسول میں جھوٹ گھڑنے والوں میں شامل نہ ہو جائیں یا حدیث کے بیان کرنے میں غلطی کر کے کسی بات کو دین میں داخل کرنے والے نہ بن جائیں۔ اس سلسلہ میں قاضی حسن بن عبدالرحمن رامہرمزی رحمہ اللہ (۳۶۰ھ) نے اپنی مایۂ ناز تصنیف ''المحدث الفاصل بین الراوي والواعي'' میں ایک باب ''من کان یتھیب الروایۃ ویتوقاھا ویکثر التشکك'' قائم کیا ہے اور ایسے متعدد واقعات اکٹھا فرمائے ہیں۔ انہی میں سے چند واقعات یہاں درج ہیں:

ابن أبي لیلیٰ فرماتے ہیں کہ ہم جب کبھی حضرت زید بن أرقم رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے جاتے تو مطالبہ کرتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہوئی احادیث میں سے کچھ ہمیں سنائیں۔ حضرت زید معذرت کرتے ہوئے فرماتے:

کبرنا ونسینا والحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید.

''کہ ہم بوڑھے ہو چکے ہیں اور بھولنے لگے ہیں اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ بڑا احساس ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم أجمعین میں سے کئی ایک ایسے بھی تھے جو براہ راست اور بذات خود سنی ہوئی حدیث بھی بیان کرنے کے بعد اس ڈر سے کہ کہیں کوئی کمی بیشی نہ ہو گئی ہو یہ الفاظ کہا کرتے تھے ''ھکذا أو نحوہ أو شبھه'' عبدالرحمن بن یزید فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر سال سال بھر تک کا وقفہ گزر جاتا اور ان کو یہ کہتے نہیں سنا جاتا کہ ''قال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' اور جب کبھی یہ کہتے تو ان پر کپکپی طاری ہوجاتی اور وہ کہتے یعنی ایسے ہی کہا تھا یا اس کے جیسا یا اس سے ملتی جلتی بات کہی تھی (تا کہ الفاظ کے ہلکے سے فرق کی ذمہ داری بھی اپنی گردن پر نہ لیں)

عمرو بن میمون نے روایت کیا ہے کہ میں ایک سال تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مجلس میں آتا جاتا رہا مگر میں نے انہیں ''قال رسول اللہ ﷺ'' کہتے نہیں سنا' پھر ایک بار ان کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے تو میں نے دیکھا کہ وہ پسینے میں شرابور ہو گئے اور کہنے لگے: ''إن شاء الله ذا أو دون ذا أو نحو ذا'' اِن شاء اللہ ایسے ہی یا ان سے ملتے جلتے الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائے تھے۔

ایک اور راوی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ کیفیت بیان کی ہے کہ انہوں نے حدیث بیان کرنے کے بعد سر جھکا لیا اور پھر سر اونچا کیا تو میں نے دیکھا کہ ان کی شہ رگ پھولی ہوئی ہے۔(سانس کے تیز اتار چڑھاؤ کی وجہ سے) ان کا ازار بند ڈھیلا ہو گیا ہے، ان کی آنکھیں بھر آئی ہیں اور کہہ رہے ہیں:

أو فوق ذاك أو قريبا من ذاك أو شبيها بذاك.

''یعنی میرے بیان کردہ الفاظ سے ذرا بڑھ کر یا ان سے قریب یا ان سے ملتے جلتے الفاظ تھے۔''

یہی رویہ حضرت أبوالدرداء اور أنس رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ متعدد اسلاف سے مروی ہے۔(تفصیل کے لیے دیکھیں: المحدث الفاصل بين الراوي والواعي للرامهرمزي باب من كان يتهيب الرواية ويتوقاها ويكثر يتشكك)

سلف صالحین کے مذکورہ بالا نمونوں کو بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ حدیثِ رسول کو بیان کرنے میں ایک عالم دین کو کس قدر محتاط ہونا چاہیے' سلف صالحین کا یہ عملی نمونہ اپنے آپ میں ایک پیمانہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کی جانے والی بات کو کس قدر اہمیت دینی

چاہیے اور اپنی پوری احتیاط کے ساتھ روایت کو بیان کرنے کے بعد بھی اللہ تعالی سے کس قدر ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ہم سے کوئی چوک نہ ہوئی ہو۔

حدیثِ رسول کی روایت یا اس کے بیان کرنے، اس کی تشریح وتوضیح کرنے سے متعلق یہ ساری باتیں سید سلمان ندوی صاحب کے علم میں ہیں، تعلیم وتعلّم سے جڑی ان کی زندگی سے یہ ناممکن ہے کہ وہ ان ساری باتوں سے ناواقف ہوں، مگر حیرت ہے کہ انہوں نے ان ساری باتوں کو بھلا دیا اور حدیث رسول کے سلسلے میں ایسی غلطی کر بیٹھے یا لوگوں کو مغالطہ میں ڈالا جس کی ان سے تو کیا ایک کم پڑھے لکھے اور معمولی سوجھ بوجھ والے شخص سے بھی توقع نہیں کی جاسکتی۔

دوسری طرف ان کے معتقدین کا حال یہ ہے کہ اپنے مقتدیٰ ورہنما کی عقیدت میں اتنی بڑی بات کو نظرانداز کر گئے، حالانکہ سلف صالحین کے مذکورہ بالا نمونے جہاں حدیثِ رسول بیان کرنے والے کی رہنمائی کرتے ہیں وہیں حدیثِ رسول کو سننے والے عوام وخواص کی بھی تربیت کرتے ہیں، پھر یہ کیوں ہوا کہ علم کی جگہ جہالت نے لے لی، حدیث رسول کے تقدس اور اس کی عظمت کی جگہ ایک شخص کی عقیدت نے لے لی، اور نبی اُمی ﷺ کی جانب ایک ایسی بات منسوب کر کے کہی سنی گئی جو کسی غیر کی جانب سے ہوتی تو پتا نہیں توہینِ رسالت کے نام پر کیسے کیسے فتوے اور نقد لکھے جاتے۔

بہرحال اگلی سطور میں ہم سلمان ندوی صاحب کی مذکورہ گفتگو میں وارد حدیث کی صحت اور اس حدیث کے مفہوم کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں کہ سلمان ندوی صاحب کی بیان کردہ باتیں حدیث کے منطوق یا مفہوم میں داخل ہیں یا پھر یہ محض ان کی ذہنی اختراع ہے جس میں ان سے ایک بھیانک غلطی سرزد ہوئی ہے۔

حدیث کی تخریج اور اس کا حکم

مذکورہ حدیث، جس کے حوالے سے سلمان ندوی صاحب نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اتنی بڑی انتہائی گھناؤنی اور غلط بات منسوب کی ہے اس کی استنادی حیثیت درج ذیل ہے:

یہ حدیث، الفاظ کے ہلکے سے فرق کے ساتھ مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح سے مروی ہے:

مرفوع روایت کے الفاظ یہ ہیں:

من تعزى بعزاء الجاهلية فأعضوه بهن أبيه ولاتكنوا. (رواه أحمد والنسائي والبخاري في الأدب المفرد وابن حبان في صحيحه وغيرهم)

ترجمہ: ''جوکوئی زمانہ جاہلیت جیسی نسبتوں پر فخر کرے اس کو اپنے باپ کا وہ حصہ اپنے دانتوں سے کاٹنے کو بولو اور اس سلسلے میں کنایہ سے بھی کام نہ لو''۔

مرفوع روایت حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مختلف سندوں سے مروی ہے جن کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کے سلسلے میں اہل علم کے دو قول ہیں:

۱) پہلا قول بعض معاصر باحثین کا ہے کہ یہ روایت متعدد طرق سے آئی ضرور ہے مگر ان میں سے ہر روایت میں ایک یا ایک سے زائد علتیں ہیں جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے اور تعددِ طرق کے باوجود حسن کے درجہ تک نہیں پہنچتی۔ مزید یہ کہ اس سند کے متن میں نکارت پائی جاتی ہے، یعنی سند کے ضعف کے ساتھ ساتھ حدیث کا معنی صحیح حدیثوں کے مفہوم سے ٹکراتا ہے۔ اس طرح ایک ضعیف روایت صحیح روایتوں میں وارد معنی ومفہوم سے ٹکراتی ہے تو وہ منکر قرار پاتی ہے۔ (اس حدیث کی تضعیف کی وجہ تفصیل کے ساتھ

دیکھیں: ملتقی أهل الحدیث: تخریج حدیث من تعزی بعزاء الجاهلیة.....

جن باحثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے وہ محمد الروسی اور تامر أبو سلطان ہیں)

۲) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ روایت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے متعدد سندوں سے وارد ہے جن میں سے بعض سندوں میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے براہ راست اُبی بن کعب سے اور بعض میں عتی بن ضمرۃ کے واسطے سے روایت کیا ہے' تحقیق کی روشنی میں یہ روایت حسن کے درجہ تک پہنچتی ہے۔

عصر حاضر میں اس موقف کو اختیار کرنے والوں میں سے ایک شیخ شعیب الارناؤوط ہیں جنھوں نے متعدد طرق کو سامنے رکھتے ہوئے اس حدیث کی دو الگ الگ سندوں کو بذات خود حسن قرار دیا ہے۔ (دیکھیں مسند أحمد: ج ۳۵، ص ۱۴۳، ح ۲۱۲۱۸ - طبعۃ الرسالۃ) (مزید ملاحظہ ہو: مسند أحمد: ج ۳۵' ص ۱۵۷' ح ۲۱۲۳۳ - طبعۃ الرسالۃ)

محدث العصر علامہ ناصر الدین اُلبانی رحمہ اللہ نے تو اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(دیکھیں: السلسلة الصحيحة: ۱/ ۵۳۷، رقم: ۲۶۹)

محقق حسین سلیم اُسد نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے اور ضمناً ان بعض اعتراضات کا بھی جواب دیا ہے جو اس روایت کو ضعیف قرار دینے والے حضرات نے اٹھائے ہیں۔

(موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان: ۳- ۱۳' ۱۴)

مذکورہ تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) اس حدیث کی ایک سند جس میں عتی بن ضمرۃ ہیں' وہ کئی ایک محققین کے نزدیک بذات خود یا تعددِ طرق کی وجہ سے حسن کے درجہ تک پہنچتی ہے۔

(۲) اس حدیث کی ایک دوسری سند بھی ہے جو پہلی سند سے بالکل مختلف ہے (مسند أحمد: ۲۱۲۱۸، طبعۃ الرسالۃ) اس سند پر شعیب الارناؤوط نے اس کے ایک راوی محمد بن عمرو باہلی کی وجہ سے حسن کا حکم لگایا ہے جبکہ وہ ثقہ ہیں۔ اس طرح اس سند سے یہ حدیث صحیح قرار

پاتی ہے۔

گویا یہ حدیث مرفوعا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد صحیح یا حسن درجے کی سندوں سے ثابت ہے۔

موقوف روایت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جس کو ابن أبی شیبہ نے وکیع سے، انہوں نے عمران سے، انہوں نے أبو مجلز سے اور انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''من اعتز بالقبائل فأعضوه أو فامضوه'' یہ روایت مرسل ہے کیوں کہ عمر رضی اللہ عنہ سے أبو مجلز کی روایت مرسل ہے۔ امام مزی نے أبو مجلز کے ترجمہ میں لکھا ہے: ''وأرسل عن عمر بن الخطاب وحذیفة'' یعنی عمر اور حذیفہ رضی اللہ عنہ سے أبو مجلز کی روایت مرسل ہے۔

(تہذیب التہذیب :۱۱/۱۷۱، رقم: ۲۹۳)

حدیث کا معنی ومفہوم

حدیث کا مفہوم متعین کرنے سے پہلے ایک اصولی بات سمجھ لی جائے۔ اصولیین کے نزدیک یہ بات مسلّم ہے کہ شرعی الفاظ سے جو مفہوم لیا جاتا ہے وہ تین طرح کا ہوسکتا ہے:

(۱) لفظ کی شرعی دلالت (۲) لفظ کی عرفی دلالت (۳) لفظ کی لغوی دلالت۔ یعنی نصوصِ شرعیہ میں وارد الفاظ کا معنی یا تو شریعت اسلامیہ میں معروف ہوگا، یا عربوں کے عرف میں عام ہوگا، یا عربی زبان خود لغت کے قواعد کی رو سے اس معنی پر دلالت کرتی ہوگی۔

کسی بھی نص شرعی سے استنباط واستدلال کے وقت یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ اس نص کے الفاظ کا جو معنی لیا جارہا ہے وہ مذکورہ بالا تینوں میں سے کسی ایک طرز کی دلالت کے ضمن میں ضرور آتا ہو۔ قرآنی آیت یا حدیث رسول کا کوئی معنی آدمی خود اپنی طرف سے متعین کرلے تو وہ حدیث کا مفہوم نہیں بن جاتا، اور نہ ہی اس کی کوئی علمی حیثیت ہوتی ہے۔ خود ساختہ مفہوم یا تفسیر پر مبنی ایسی کوئی بھی بات اور نص شرعی کے ساتھ ایسا کوئی بھی طرز عمل دراصل اس نص کی تحریف کے ضمن میں آئے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ زیر بحث حدیث سے ''گالی دینے'' کے مفہوم اور بالخصوص ''ماں بہن کی گالی دینے'' کے مفہوم کا اہل علم کے طے کردہ مذکورہ تینوں طرز کی دلالت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ مذکورہ بالا حدیث کے مفہوم میں ''ماں بہن کی گالی دینے'' کا مفہوم نہ شرعی ہے، نہ عرفی، نہ لغوی۔ یہ محض ہوائے نفس کی پیروی ہے اور مطلب برآری کے لیے عوام الناس کو مغالطہ میں ڈالنے والی بات ہے۔

اس اجمال کی تفصیل درج ذیل ہے:

مذکورہ حدیث کے صحیح مفہوم کو سمجھنے سے پہلے اس میں مستعمل مفردات کی تحلیل کر لی جائے تو اس حدیث کا مکمل مفہوم سمجھنا ایک مبتدی کے لیے بھی آسان ہوگا اور کسی بھی غلط مفہوم کے اخذ کیے جانے کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔اس حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں:

''مَنْ تَعَزَّى بِعَزَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَعِضُّوهُ بِهِنَّ أَبِيهِ وَلَا تَكْنُوا'' جس میں کئی الفاظ غریب یعنی خود اہل زبان کے نزدیک قلیل الاستعمال ہونے کی وجہ سے وضاحت طلب ہیں جن کا معنی و مفہوم درج ذیل ہے:

تَعَزَّى: یعنی خود کو کسی قبیلے یا خاندان کی طرف منسوب کرنا اور اسی نسبت کے حوالے سے مدد کے لیے پکارنا۔

امام کسائی نے اس کا معنی لکھا ہے: انتسب وانتمى كقولهم يا لفلان ويا لبنى فلان. (غریب الحدیث للقاسم بن سلام: ۱/۳۰۰)

علامہ ابن الاثیر نے لکھا ہے: العزاء والعزوة : اسم لدعوى المستغيث وهو أن يقول يا لفلان يا للأنصار ويا للمهاجرين (النهاية: ۳/ ۲۳۳) یعنی کسی مدد کے طلب گار کا دہائی دینا، جیسے یوں کہے: اے فلاں! یا اے انصار کے لوگو! اور اے مہاجرو!

عزاء الجاهلية: الدعوى للقبائل أن يقال : يا لتيم ويا لعامر......

یعنی جاہلی نعرے، جیسے یہ کہے: اے قبیلۂ تیم یا قبیلۂ عامر کے لوگو!

تَعَزَّى بِعَزَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ: کا مطلب یہ ہوگا کہ قبائلی عصبیت کی بنیاد پر مشکل وقت میں یا خاص طور پر باہمی جھگڑوں میں زمانۂ جاہلیت کے طرز پر عصبیت سے پُر نعرے لگانا' قبائلی عصبیت کی بنیاد پر اندھی تائید کے لیے آواز دینا، ''انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا'' (تم اپنے بھائی کے حامی رہو چاہے وہ ظالم ہو کہ مظلوم) کی جاہلی تفسیر کی عملی تعبیر بن جانا۔

ظاہر بات ہے یہ ایک سنگین جرم ہے، اس لیے کہ اسلام نے رنگ و نسل اور خاندانی و قبائلی عصبیتوں کے بتوں کو توڑ کر اسلامی اخوت اور بھائی چارہ کی جو فضا قائم کی اور سماج کو جن

خیر خواہانہ و منصفانہ بنیادوں پر قائم کیا ہے یہ عصبیتیں ان جڑوں کو کھوکھلا کر دیتی ہیں۔

فأعضوه: عض یعض کا معنی ہوتا ہے دانت سے کاٹنا' خاص طور پر اونٹ کی طرح ہونٹوں تلے دبانا اور دانتوں سے بھنبھوڑنا' دانتوں تلے دبا کر مضبوطی سے پکڑے رہنا' **فأعضوه** کا معنی ایسا کرنے کی ترغیب دلانا یا حکم دینا ہے۔

هن: علامہ ابن الاثیر نے لکھا ہے: **الهن والهن بالتخفيف وبالتشديد كناية عن الشيء لا تذكره باسمه** (النهاية: ۵۔۲۷۸) یعنی کوئی بھی ایسی چیز جس کا تذکرہ مستحسن نہ ہو یا آپ جس کا نام صراحت سے لینا نہیں چاہتے ہوں۔۔۔ابن الاثیر نے آگے لکھا (یعنی الفرج) یعنی یہاں شرم گاہ مراد ہے۔

اس طرح ''**فأعضوه بهن أبيه**'' کا معنی یہ ہوگا اس سے کہو کہ اپنے باپ کا ''وہ'' چبائے۔

لا تكنوا: أي قولوا له اعضض بأير أبيك ولا تكنوا عن الأير بالهن تنكيلا وتأديبا (غريب الحديث لابن الجوزی :۲/ ۱۰۳، والنهاية فی غريب الحديث: ۳/ ۲۵۲)

قولوا له عض أير أبيك (النهاية) یعنی جس طرح میں نے ''ھن'' کا لفظ استعمال کیا ہے اس طرح تم کنایہ نہ کرو، تم صریح لفظ استعمال کرو (صریح لفظ ذکر کر کے عار دلاؤ)

حدیث کے متن میں وارد مذکورہ الفاظ کی وضاحت ہی سے حدیث کے الفاظ کا معنی سمجھ میں آجاتا ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جس کسی کو زمانۂ جاہلیت کے طرز پر قبائلی عصبیتوں کی طرف بلاتے دیکھو یا آبائی نسبتوں پر بے جا فخر کرتے دیکھو تو اس کو اس کی اوقات یاد دلاؤ' اسے بتلاؤ کہ جس حوالہ سے وہ فخر کر رہا ہے یا مدد کا طلب گار ہے اس کی حقیقت بس اس قدر ہے کہ یہ نسبت اس عضو سے ہو کر گزرتی ہے جس کے تذکرہ میں بھی عار محسوس کیا جاتا

ہے۔

اس حدیث کا یہ مفہوم حضرت اُحنف بن قیس رحمہ اللہ کے اس اثر سے قریب ہے جو انہوں نے تکبر کے باب میں بیان کیا ہے' کہتے ہیں:

عجبا لابن آدم یتکبر وقد خرج من مجری البول مرتین.

''جب کسی انسان کوتکبر کرتے دیکھتا ہوں تو تعجب ہوتا ہے کہ وہ کیسے خود کو اس قدر بڑا سمجھنے کی غلطی کرسکتا ہے جب کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ دو دو بار (باپ کے نطفے اور پھر ولادت کے وقت) پیشاب کے راستے سے گزر کر اس دنیا میں آیا ہے''۔

(موسوعة نضرة النعيم: ١١/٦٧ ٥٣نقلا عن إحياء علوم الدين للغزالی)

حدیث کا مذکورہ بالا مفہوم ہر صاحب علم وفہم کے نزدیک بالکل ہی واضح ہے مگر یہاں حدیث کے ان الفاظ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصود کیا تھا؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بطور گالی استعمال کرنے کی ترغیب دی ہے یا پھر اس کا کوئی اور مفہوم مقصود ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے متقدمین کی تشریح وتوضیح کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس حدیث کے سلسلے میں اہل علم کے مجموعی طور پر تین موقف ملتے ہیں:

١) پہلا موقف: ان اہل علم کا ہے جنھوں نے اس حدیث کو ضعیف مانا ہے' ان کا ماننا ہے کہ چونکہ حدیث ضعیف ہے اس لیے اس کی تشریح وتوضیح کی ضرورت بھی نہیں' بلکہ اس حدیث کا جو معنی ظاہرا سمجھ میں آتا ہے اس کے مطابق اس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرنا بھی درست نہیں۔ مزید یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کے منافی بھی ہے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تو یہ بات بتائی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ فحش گو تھے نہ بدگو ''**لم یکن النبي ﷺ فاحشا ولا متفحشا**''. (بخاری: ٣٥٥٩' مسلم: ٢٣٢١) لہٰذا یہ الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہو ہی نہیں سکتے۔

٢) دوسرا موقف: ان اہل علم کا ہے جنھوں نے اس حدیث کو سنداً صحیح یا حسن تسلیم کیا

ہے اور اس کے معنی کو بھی صحیح قرار دیا ہے' ان کے نزدیک اس حدیث کا معنی وہی ہے جو اس کے ظاہر سے سمجھ میں آتا ہے اور جس کی وضاحت ابھی گزری۔

ان کے نزدیک حدیث کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ کچھ یوں ہوگا: ''جس کسی کو زمانہ جاہلیت کی طرح عصبیت پر مبنی نعرے لگاتے دیکھو تو اس سے کہو! جاؤ! جا کر اپنے باپ کے اس حصے کو اپنے دانتوں سے کاٹو! (اور ایسا کہتے ہوئے میری طرح شرم گاہ کے لفظ کے لیے) کنایہ کا لفظ نہ استعمال کرو''۔

یعنی صراحتاً اس سے یہی الفاظ کہو۔

یہی اکثر اہل علم کا موقف ہے' اس موقف کے قائلین میں سے بطور نمونہ چند ایک کا تذکرہ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس حدیث کو روایت کرنے اور اپنی کتاب میں جگہ دینے والے محدثین میں سے ایک نمایاں نام امام ابن حبان رحمہ اللہ کا ہے انہوں نے اپنی کتاب صحیح ابن حبان میں اس حدیث کو روایت کیا تو عنوان یہ باندھا ہے: ''ذکر الإسماع لمن تعزى بعزاء الجاهلية عند مصيبة يمتحن بها'' کسی مصیبت یا آزمائش کے وقت اگر کوئی جاہلی طرز کے نعرے لگائے تو اسے کیا سنانا یا کہنا چاہیے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنۃ میں یہ سرخی لگائی ہے: ''باب التعزي بعزاء الجاهلية'' (زمانۂ جاہلیت کے نعرے لگانے کا بیان) اور پھر مذکورہ حدیث کو روایت کرنے کے بعد اس کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

قلت :يريد يقول له:اعضض بأير أبيك' يجاهره بمثل هذا اللفظ الشنيع ردا لما أتى به من الانتماء إلى قبيلته والافتخار بهم.

بغوی کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چاہتے ہیں کہ ایسے آدمی سے یہ کہا جائے کہ تم اپنے باپ کی شرم گاہ کو چباؤ! اس آدمی سے اس جیسے شدید الفاظ میں خطاب کرنے کی

تعلیم اس لیے دی جا رہی ہے کہ اس نے اپنے قبیلہ کی نسبت پر فخر کا مظاہرہ کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی یہی معنی مراد لیا ہے۔ مجموع الفتاوی میں وارد ہے:

قال النبي ﷺ: من سمعتموه يتعزى بعزاء الجاهلية فأعضوه بهن أبيه ولاتكنوا يعني إذا قال الداعي: يالفلان! أو ياللطائفة الفلانية! فقولوا له اعضض بذكر أبيك.

نبی ﷺ نے فرمایا ہے: جس کسی کو زمانہ جاہلیت کی طرح نعرے لگاتے دیکھو تو اس سے کہو! جاؤ! جا کر اپنے باپ کے اس حصے کو اپنے دانتوں سے کاٹو! اور کنایہ کا لفظ نہ استعمال کرو۔ یعنی جب کوئی دہائی دینے والا دہائی دے کہ اے فلاں! اے فلاں جماعت والو! تو تم اس سے کہو! جا! جا کر اپنے باپ کی شرمگاہ کو کاٹ!

(جامع المسائل لابن تیمیة ۴/ ۲۳۲)

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث کا مذکورہ معنی کیا بدگوئی میں شمار ہوگا؟؟ کیا اس کو بدگوئی پر محمول کیا جائے گا؟ اس سوال کا جواب اس ناحیہ سے بھی اہم ہے کہ بہت سارے لوگوں نے اس کے الفاظ کی سختی کو دیکھتے ہوئے کہا ہے کہ یہ الفاظ نبی ﷺ کے ہو ہی نہیں سکتے۔

اس سلسلے میں اہل علم نے بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ گالی گلوج، بدزبانی یا فحش گوئی کے ضمن میں نہیں آتا، کیوں کہ ان میں ظاہرا ناپسندیدہ الفاظ وارد ہیں مگر ان میں گالی کا مفہوم نہیں ہے، کیوں کہ گالی ایسے الفاظ کا نام ہے جس میں کسی کی ذات کو قبیح الفاظ یا بری چیزوں کے سہارے نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس کا تذکرہ ایسی صفات یا افعال سے جوڑ کر کیا جاتا ہے جو عرف میں قبیح اور ناپسندیدہ ہوتے ہیں۔ جہاں تک کسی کے اعمال اور اس کی حرکت پر اس کی حقیقت بیان کرنے اور حیثیت متعین کرنے کے لیے استعمال کیے جانے والے الفاظ کا

تعلق ہے وہ گالی کے مفہوم میں داخل نہیں ہیں؛ لہٰذا یہاں حدیث میں مذکور الفاظ بادی النظر میں بظاہر غیر مستحسن نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں وہ بذاتِ خود مقصود نہیں ہیں جیسا کہ گالی گلوچ میں ہوتا ہے بلکہ یہاں ان الفاظ کے ذریعے اس جاہلی نسبت پر مبنی قول کی حقیقت اور اس فعل کی شناعت اور قباحت کو واضح کرنا مقصود ہے؛ یا اس غلطی کا احساس دلانے والی کسی ایسی حقیقت کی یاددہانی مطلوب ہے جس کے تصور سے آدمی کا تکبر ٹوٹے اور وہ اپنی اصل اور حقیقت کو یاد رکھ کر آئندہ اس قسم کی غلطی نہ دہرائے۔

بعض اہل علم نے ایک پہلو یہ بھی بیان کیا ہے کہ بالفرض اگر مان بھی لیا جائے کہ بعض الفاظ ناپسندیدہ ہیں تب بھی بعض مخصوص حالات اور سیاق میں ان کا تذکرہ ناپسندیدہ نہیں رہ جاتا، بلکہ ان کا تذکرہ مستحب یا واجب بھی ہوسکتا ہے؛ اس طرح نہ یہ بدگوئی ہے اور نہ ہی اسے گالی قرار دیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''فحش'' اور ''فحشاء'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس طرح بدکاری بے حیائی ہے بالکل اسی طرح چھپائے جانے والے اعضاء کا اظہار اور دکھلانا بھی اور چھپائی جانے والی باتوں کو بیان کرنا بھی فحاشی اور بے حیائی میں داخل ہے؛ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو منع کیا کہ وہ کسی اجنبی عورت کے جسمانی اوصاف اپنے شوہر کے سامنے یوں بیان کرے جیسے وہ اس کو دیکھ رہا ہو۔۔۔اس بنیادی مسئلہ کی وضاحت کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ثم إن كل واحد من إظهار ذلك للسمع والبصر يباح للحاجة، بل يستحب إذا لم يحصل المستحب أو الواجب إلا بذلك كقول النبيﷺ لماعز: أنكتها، وكقوله من تعزى بعزاء الجاهلية فأعضوه بهن أبيه ولاتكنوا.

یعنی مذکورہ دونوں باتوں میں سے کوئی بھی بات یا چیز بوقت ضرورت سنائی یا

دکھائی جا سکتی ہے، نہ صرف یہ کہ ایسا کرنا مباح ہے بلکہ اگر کسی دیگر مستحب یا واجب چیز کا حصول اسی پر موقوف ہو تو ایسا سنانا اور دکھانا بھی مستحب یا واجب قرار پائے گا۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (زنا کے مکمل واقع ہونے سے متعلق استفسار کرتے ہوئے) ماعز رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا: کیا تم نے اس عورت کے ساتھ مکمل تعلق قائم کرلیا تھا؟ یا دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: جس کسی کو زمانۂ جاہلیت کی طرح نعرے لگاتے دیکھو تو اس سے کہو! جاؤ! جا کر اپنے باپ کے اس حصے کو اپنے دانتوں سے کاٹو! اور کنایہ کا لفظ نہ استعمال کرو۔ یعنی جب کوئی دہائی دینے والا دہائی دے کہ اے فلاں! اے فلاں جماعت والو! تو تم اس سے کہو! جا! جا کر اپنے باپ کی شرمگاہ کو کاٹ۔

(مجموع الفتاوی ۱۵/ ۳۸۲)

گویا ان الفاظ میں نہ گالی ہے نہ بدگوئی، بلکہ یہ ضرورت کے پیش نظر اور سامنے والے شخص کے حسب حال اس کی حقیقت یاد دلانے والی ایک تعبیر ہے۔

اس بات کی تائید مسند احمد میں مروی ایک قصہ سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو سنا کہ وہ زمانہ جاہلیت کے طرز پر کسی کو مدد کے لیے پکار رہا ہے تو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا جا کر اپنے باپ کا عضوِ مخصوص کاٹ! اس شخص نے کہا: اے ابوالمنذر! آپ تو ایسی بدگوئی کرنے والے نہیں تھے؟ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے (مسند أحمد: ۲۱۲۳۳- مجموع الفتاوی ۲۸: ۴۲۲) حضرت ابی کے کہنے کا مقصد نعوذ باللہ! یہ نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایسی بدگوئی کا حکم دیا ہے بلکہ یہ بتانا مقصود تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے تو یہ بدگوئی نہیں ہو سکتی۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایک اور مقام پر عروہ بن مسعود ثقفی اور حضرت اُبوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح حدیبیہ کے موقعہ پر پیش آئے ایسے ہی ایک اور واقعہ کا تذکرہ کرنے کے بعد جس میں حضرت اُبوبکر نے عروہ سے کہا تھا: ''امصص بظر اللات'' (یعنی لات نامی اپنے بت کی شرمگاہ چاٹ!) فرماتے ہیں:

ولهذا قال من قال من العلماء إن هذا يدل على جواز التصريح باسم العورة للحاجة والمصلحةوليس من الفحش المنهي عنه كما في حديث أبي بن كعب عن النبي ﷺ من سمعتموه يتعزى بعزاء.........)

یعنی اہل علم نے اُبوبکر صدیق کے اس واقعہ کی روشنی ہی میں یہ کہا ہے کہ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ ضرورت یا مصلحت کے پیش نظر شرمگاہ کا نام صراحت کے ساتھ لینا جائز ہے اور شرعا منع کردہ فحش گوئی میں داخل نہیں ہے' پھر حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اسی زیر بحث حدیث کا حوالہ دیا ہے۔

(منهاج السنۃ النبویہ:۸:۴۰۸)

(۳) اس حدیث کے مفہوم کے سلسلے میں ایک تیسرا موقف بھی ہے۔ یہ موقف امام طحاوی کا ہے۔ انہوں نے اس کا ایک اور ہی معنی لیا ہے' یہ معنی پچھلے معنی سے قریب ہے مگر قدرے مختلف بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ صراحت کے ساتھ یہی کلمات ہو بہو کہنا اور اسے سنانا مقصود نہیں ہے' بلکہ اس کا مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام لانے کے بعد بھی جاہلی نسبتوں پر فخر کرے اور خود کو اپنے ان آبا و اجداد کی طرف منسوب کرے جو کافر تھے تو ایسا شخص اسی قابل ہے کہ اس کو اس کی اصل یاد دلائی جائے کہ تمہاری حقیقت کیا ہے؟ یہی نا کہ تم ایک حقیر نطفہ سے پیدا کیے گئے ہو جو تمہارے باپ کی شرمگاہ سے نکلا ہے جو ایک کافر تھا؟' یعنی صریح یہ کہنے کی بجائے کہ تم اپنے باپ کی شرمگاہ کاٹو! اسے مناسب الفاظ میں اس کی حقیقت یاد دلائی جائے۔

گویا یہاں شرمگاہ کا تذکرہ بھی صراحت کے ساتھ مطلوب نہیں ہے بلکہ یاددہانی ہے کہ تمہاری اصل کیا ہے؟ جس نسب پر فخر کر رہے ہو وہ اس نطفہ سے جڑا ہے جو تمہارے کافر اور جاہلی دور کے آبا واجداد کا نطفہ ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ کا بیان کردہ یہ مفہوم الفاظ کی ظاہری قباحت سے بھی پاک ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اسی تناظر میں گفتگو کرتے ہوئے کہ کیا یہ بدگوئی ہے؟ مزید یہ بھی لکھا ہے کہ شرعاً ممنوع بدگوئی وہ ہے جو ناحق کی جائے۔ حق کے ساتھ اگر ہو تو اسے بدگوئی میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں امام طحاوی کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

إن البذاء المراد في هذا الحديث خلاف البذاء المراد في الحديث الأول وهو البذاء على من لايستحق أن يبذأ عليه فمن كان منه ذلك البذاء فهو من أهل الوعيد الذي في الحديث المذكور ذلك البذاء فيه' وأما المذكور في الحديث الأول فإنما هو عقوبة لمن كانت منه دعوى الجاهلية' لأنه يدعو برجل من أهل النار' وهو كما كانوا يقولون: يالبكر يا لتيم يالهمدان فمن دعا كذلك من هؤلاء الجاهلية الذين من أهل النار كان مستحقا للعقوبة وجعل النبيﷺ عقوبته أن يقابل بما في الحديث الثاني ليكون ذلك استخفافا به وبالذي دعا إليه ولينتهي الناس عن ذلك في المستأنف فلايعودن إليه.

(امام طحاوی کی بیان کردہ دو حدیثوں اور ان کے سیاق اور مفہوم کی مکمل تفصیل کے لیے دیکھیں: شرح مشکل الآثار ۸: ۲۳۴: ۳۲۰۶)

یہ ہے اہل علم کے اقوال کا خلاصہ جو اس حدیث کے معنی ومفہوم کی تعیین اور اس کے مقصود کو سمجھنے کے سلسلے میں ملتے ہیں۔ ان اقوال کی روشنی میں حدیث کا مفہوم اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

مقصود بالکل واضح ہوجاتا ہے۔اب ذرا حدیث کے مفہوم اور سلمان ندوی صاحب کے کہے الفاظ اور نبی ﷺ کی طرف منسوب کی گئی بات کو پھر سے پڑھیں اور موازنہ کریں کہ دونوں میں کتنی مناسبت ہے؟

حدیث کا مفہوم جو بیان کیا گیا وہ کچھ یوں تھا: ''جس کسی کو زمانہ جاہلیت کے طرز پر قبائلی عصبیتوں کی طرف بلاتے دیکھو یا آبائی نسبتوں پر بے جا فخر کرتے دیکھو تو اس کو اس کی اوقات یاد دلاؤ' اسے بتلاؤ کہ جس حوالہ سے وہ فخر کر رہا ہے یا مدد کا طالب ہے اس کی حقیقت بس اس قدر ہے کہ یہ نسبت اس عضو سے ہوکر گزرتی ہے جس کے تذکرہ میں بھی عار محسوس کیا جاتا ہے''۔

اور سلمان ندوی صاحب فرماتے ہیں:

''اور حضور ﷺ نے فرمایا تھا: کہ اگر تم سنو کہ کوئی جاہلیت کا نعرہ لگائے تو اس کو ماں بہن کی کھلی گالی دو! یہ فرمایا تھا: ''فإن تعزى أحد بعزاء الجاهلية فأعضوه بهن أبيه ولا تكنوا'' (حضور فرما رہے ہیں جن سے زیادہ با اخلاق اور شرمیلا اور حیادار کوئی انسان نہیں' وہ فرما رہے ہیں جو جاہلیت کے نعرے لگائے'........فرمایا کہ اسے صریح ماں بہن کی گالی دو!........آپ کو یہ اجازت ہے۔ان تمام! ان تمام بے غیرت اور خبیث حاکموں کو ماں بہن کی گالی دیجیے........)

دونوں عبارتوں کے سرسری موازنہ سے حقیقت بالکل عیاں ہوگئی کہ اس حدیث کی آڑ میں دراصل نبی ﷺ کی طرف ایک انتہائی غلط اور بے بنیاد بات منسوب کی گئی ہے' جو غلط ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی بری بات بھی ہے، جس کی نسبت کسی نبی یا صحابی تو دور سماج کے کسی شریف انسان کی طرف کرنا بھی اس کی توہین ہے۔

ندوی صاحب نے اپنی اس گفتگو میں جس بھیانک غلطی بلکہ حدیث میں تحریف یا نبی ﷺ پر جھوٹ گھڑنے کا ارتکاب کیا ہے اگلی سطور میں ہم اس کو مرحلہ وار واضح کریں گے۔

مغالطے

(مجھے خوف آتشِ گل سے ہے یہ کہیں چمن کو جلا نہ دے)

سلمان ندوی صاحب نے اس حدیث کے بیان، اس کے مفہوم کی وضاحت اور اپنے مدعا کے لیے اس کو دلیل بنانے میں متعدد مغالطوں سے کام لیا ہے، بلکہ حدیث رسول میں تحریف کی ہے۔ آگے کی سطور میں مرحلہ وار ان مغالطوں کا ذکر کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ پھر سلمان ندوی صاحب کے ان الفاظ کا تذکرہ کر دیا جائے جو انہوں نے اس سلسلے میں کہے تھے۔ وہ کہتے ہیں:

''........اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: کہ اگر تم سنو کہ کوئی جاہلیت کا نعرہ لگائے تو اس کو ماں بہن کی کھلی گالی دو! یہ فرمایا تھا: ''فإن تعزى أحد بعزاء الجاهلية فأعضوه بهن أبيه ولاتكنوا'' حضور فرما رہے ہیں جن سے زیادہ با اخلاق اور شرمیلا اور حیادار کوئی انسان نہیں، وہ فرما رہے ہیں جو جاہلیت کے نعرے لگائے، آپس میں تفریق کرے، اور دشمن سے دوستیاں رچائے اور اپنوں پر ہاتھ ڈالے، اور جو اہل علم اور اہل دین ہیں ان کے پیچھے پڑے، ان کا تعاقب کرے، جو اس طرح کے کردار کا حامل ہو اور جاہلیت کے نعروں کی بات کرے، فرعونیت کا نعرہ لگائے، قبیلے کا نعرہ لگائے، علاقائیت کا نعرہ لگائے، مسلکوں کی بنیاد پر تفریق کر کے امت کو توڑے، فرمایا کہ اسے صریح ماں بہن کی گالی دو!........ آپ کو یہ اجازت ہے۔ ان تمام! ان تمام بے غیرت اور خبیث حاکموں کو ماں بہن کی گالی دیجیے جنھوں نے جاہلیت کو اسلام کے بدلے لیا، جنھوں نے دوسروں کے قانون کو شریعت کے بدلے

اختیار کیا' جنھوں نے اسلامی غیرت کے بدلے بے عزتی و بے حمیتی کو اختیار کیا.......''۔

اس پوری عبارت کو ذہن میں رکھیں اور دیکھیں اس میں تحریف اور اضافہ ہی نہیں بلکہ کس قدر غلط مفہوم دینے اور اپنی مطلب برآری کی کوشش کی گئی ہے۔

پہلا مغالطہ

سب سے پہلا مغالطہ تو یہ کہ حکمرانوں کے ان ''جرائم'' سے حدیث کا کوئی تعلق نہیں تھا جو مولانا نے گنائے ہیں۔ ان مختلف و متعدد جرائم کا نہ صراحتاً اس حدیث کے الفاظ میں تذکرہ ہے اور نہ حدیث کا مفہوم ہی اس معنی کا متحمل ہے جس پر ندوی صاحب نے حدیث کو محمول کرنے کی ناروا کوشش کی ہے۔ قارئین خود حدیث کے الفاظ اور اس کے مفہوم -جس کا تذکرہ مضمون کے پچھلے حصے میں ہو چکا ہے- اور ندوی صاحب کے ان الفاظ کے درمیان موازنہ کرلیں اور دیکھیں کیا کوئی مناسبت نظر آتی ہے؟؟

''.....اور دشمن سے دوستیاں رچائے اور اپنوں پر ہاتھ ڈالے' اور جو اہل علم اور اہل دین ہیں ان کے پیچھے پڑے' ان کا تعاقب کرے''

''.....ان تمام! ان تمام بے غیرت اور خبیث حاکموں کو ماں بہن کی گالی دیجیے جنھوں نے جاہلیت کو اسلام کے بدلے لیا' جنھوں نے دوسروں کے قانون کو شریعت کے بدلے اختیار کیا' جنھوں نے اسلامی غیرت کے بدلے بے عزتی و بے حمیتی کو اختیار کیا.....''

قطع نظر اس سے کہ ان حکمرانوں کا کردار کیا ہے؟ کیا وہ واقعی ویسے ہی ہیں جیسے ندوی صاحب بتلا رہے ہیں یا پھر حقیقت اس کے برعکس ہے' یا کچھ سچ اور کچھ جھوٹ والی بات ہے۔ مذکورہ بالا مزعومہ ''جرائم'' کا حدیث میں کہاں تذکرہ ہے؟ حدیث کے الفاظ میں ان کا تذکرہ ہے؟ یا ان الفاظ کی شرعی یا عرفی دلالت میں یہ سب داخل ہیں؟ اگر ہیں تو اس کی دلیل یا ثبوت کہاں ہے؟ ساڑھے چودہ سو سال کی اس علمی تاریخ میں اہل علم میں سے کس نے یہ مفہوم بیان

کیا ہے؟ اور اگر حدیث کے منطوق ومفہوم دونوں میں یہ باتیں نہیں ہیں اور ندوی صاحب نے انہیں اپنی طرف سے بڑھا لیا ہے تو پھر محدثین کرام کے نزدیک ایسا طرز عمل حدیث گھڑنے میں شمار کیا جاتا ہے۔

تاریخ اسلام میں ایسا ہی ایک واقعہ مذکور ہے۔ ابن شاہین نے اپنی کتاب ''تاریخ أسماء الضعفاء والکذابین'' (ص۵۰۱) میں یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ غیاث بن ابراہیم، عباسی خلیفہ مہدی کے پاس ملاقات کے لیے آیا۔ خلیفہ مہدی اس وقت اپنے کبوتروں کے ساتھ شغل کر رہا تھا' مہدی کو کبوتر پسند تھے' یہ منظر دیکھا تو غیاث نے خلیفہ کو خوش کرنے کے لیے فوراً حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''لا سبق إلا في خف أو حافر أو نصل'' کہ مقابلہ آرائی صرف تیراندازی اور جانوروں کی دوڑ میں جائز ہے۔ یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے (مسند أحمد: ۱۰۱۳۸ وغیرہ) ۔مگر غیاث بن ابراہیم نے یہ جرأت کی کہ اس صحیح حدیث میں '' أو جناح ''کا اضافہ کر دیا اور پوری حدیث یوں بیان کی ''لا سبق إلا في خف أو حافر أو نصل أو جناح'' کہ مقابلہ آرائی صرف تیراندازی' جانوروں کی دوڑ اور پرندوں میں (یعنی کبوتر بازی میں) جائز ہے۔

اس طرح غیاث بن ابراہیم نے اپنی غرض (خلیفۂ وقت کو خوش کرنے) میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایک لفظ کا اضافہ کر دیا تاکہ اس اضافہ سے خلیفۂ وقت خوش ہو جائے اور اس سے راضی ہو جائے۔ محدثین کرام نے غیاث بن ابراہیم کے اس طرز عمل کو حدیث گھڑنے میں شمار کیا ہے اور پھر ہمیشہ کے لیے اس راوی کو کذاب وغیر معتبر قرار دے دیا' چنانچہ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے غیاث بن ابراہیم کے بارے میں کہا ہے: ''کوفي کذاب خبیث'' (تاریخ ابن معین روایۃ ابن محرز: ۱/۵۵) امام بخاری نے کہا ہے: ''ترکوہ'' (التاریخ الکبیر: ۴۸۹) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''متروك الحدیث ترك الناس حدیثه'' (المجروحین لابن حبان: ۱۵۵۴)

حدیثِ رسول میں ایسا جزوی ردوبدل کرنے والا بھی جھوٹ گھڑنے والوں میں داخل ہے۔ ایسے شخص کے سلسلے میں انتہائی شدید وعید بھی وارد ہے اور ایسا کرنے والا زندگی بھر کے لیے مہجور ومتروک ہو جاتا ہے' بلکہ بہت سارے محدثین کے نزدیک ایسا شخص اعتراف جرم کرلے اور اس پر شرمندہ ہو جائے تب بھی سچی توبہ کے باوجود حدیثِ رسول کے باب میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس شخص سے بعد میں صحیح حدیثِ رسول بھی نہیں لی جاتی اور کہا جاتا ہے' اس کی توبہ اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہے' دین کے تحفظ کے تئیں ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ اس شخص سے علم نہ لیا جائے۔

امام سخاوی نے امام بخاری کے استاذ امام حمیدی' امام احمد' ابوبکر صیرفی سے یہی قول نقل کیا ہے۔ ان کے علاوہ امام ذہبی نے ابن معین سے' خطیب بغدادی نے "الکفایة" میں اہل علم کی ایک جماعت کے حوالے سے اور حازمی نے "شروط الأئمة الستة" میں محدثین کے ایک گروہ سے یہی موقف نقل کیا ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: فتح المغیث بشرح ألفیة الحدیث للعراقی: ۲/ ۷۵)

ان محدثین کی نظر میں ایسا راوی حدیث جو حدیث رسول میں جھوٹ بولے- چاہے ایک بار- وہ زندگی بھر کے لیے متروک ومردود ہو جاتا ہے۔ پھر زندگی میں کبھی ایسے شخص سے دین کی کوئی بات نہیں لی جاتی۔ یوں کہا جاتا ہے جو اپنے حصول مدّعا کے لیے حدیثِ رسول میں رد وبدل کرسکتا ہے وہ اس لائق نہیں رہ جاتا کہ لوگ اپنے دین کے معاملے میں اس پر بھروسہ کریں۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں ذرا غور کریں کہ سلمان ندوی صاحب نے جو جرأت کی ہے وہ شریعت اسلامیہ کی نظر میں اور اہل علم کے نزدیک کس قدر غیر معمولی ہے؟؟ ندوی صاحب مخالفین سے اپنی ناراضی اور دشمنی میں اس حد تک آگے جا چکے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ گھڑنے میں بھی تردد نہ ہوا۔

دوسرا مغالطہ: کیا یہ گالی ہے؟

سلمان ندوی صاحب نے اس حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بتلایا ہے کہ حدیث میں وارد الفاظ ایک قسم کی گالی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان کی ہے، نہ صرف یہ کہ یہ گالی خود دی ہے بلکہ ایسی گالی دینے کی ترغیب اپنے امتیوں کو بھی دلائی ہے...! دانشمندوں کے ہوش اڑے ہوئے ہیں کہ گالی کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کیسے؟ مولانا کو بھی شاید یہ کہتے ہوئے احساس ہوگیا کہ یہ بات انتہائی تعجب خیز ہے اسی لیے اپنے سامعین کو یقین دلانے کے لیے ''فرماتے'' ہیں: (حضور فرمارہے ہیں، جن سے زیادہ بااخلاق اور شرمیلا اور حیادار کوئی انسان نہیں، وہ فرمارہے ہیں....)

گویا ندوی صاحب یوں فرمارہے ہیں کہ سامعین حضرات! یقین کرو کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے نہیں تھے کہ گالی گلوچ کرتے یا اس کو پسند فرماتے مگر اس معاملہ میں ضرور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ مخصوص لوگوں کے لیے گالی کا انتخاب فرمایا ہے۔ ندوی صاحب اس طرح ایک طرف اپنے سامعین کو یقین دلانا چاہ رہے ہیں کہ:

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

تو دوسری طرف بین السطور یہ پیغام بھی دینا چاہ رہے ہیں کہ سوچو! جو نبی شرمیلا اور حیادار ہے وہ اگر گالی دینے تک آجائے تو پھر یہ مخصوص لوگ (مسلم حکمران) کیسے ظالم اور کس قدر برے ہوں گے؟

واقعہ یہ ہے کہ یہاں سلمان ندوی صاحب سے یا تو اس حدیث کے سمجھنے میں بھول ہوئی کہ وہ محدثین ومتقدمین اہل علم کی شرح اور اس کے صحیح مفہوم سے لاعلم تھے اور اپنی عربی دانی کے زعم میں زحمت بھی گوارا نہ کی کہ اس قدر غیر معمولی بات کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرنے سے پہلے ایک مرتبہ معلوم کر لیتے کہ کیا یہ واقعتاً گالی ہے؟ یا پھر مولانا جیسے ''عالمِ

دوراں'' کے علم میں اس کا صحیح مفہوم تھا مگر اپنی منشا کے لیے یہاں بھی اہل علم کے نزدیک معروف ومعتبر مفہوم کو ترک کرکے اسے گالی پر محمول کرلیا۔ بہر دوصورت سلمان ندوی صاحب سے ہوئی یہ لغزش انتہائی گھناؤنی ہے۔(وأحلاها مرها)۔

مذکورہ بالا حدیث میں وارد الفاظ کا صحیح معنیٰ، مفہوم اور مقصود کیا ہے؟ اور کیا یہ گالی کے زمرے میں آتی ہے؟ اس سلسلے میں پچھلے صفحات میں متعدد معتبر اہل علم کی تحریروں کے حوالوں کی روشنی میں یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ اس کا مقصود گالی نہیں ہے۔ اور نہ اس کا شمار بدگوئی میں ہوتا ہے۔

مزید برآں آپ قارئین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیا کا کمال دیکھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عار دلانے کے لیے بھی شرمگاہ کا تذکرہ صراحتاً خود نہیں فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''ھن'' کا لفظ استعمال فرمایا جو بطور کنایہ استعمال ہوتا ہے اور اپنے امتیوں سے کہا کہ میں نے تو شرمگاہ کے لیے کنایہ کا لفظ اختیار کیا ہے مگر تم کنایہ نہ کرو۔۔! اسی لیے حضرت اُبی بن کعب نے اسی لفظ ''ھن'' والی حدیث کا حوالہ دیا مگر خود جب سامنے والے کے لیے الفاظ استعمال کیے تو ''ھن'' کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح کنایہ والا لفظ نہیں استعمال فرمایا بلکہ ''أیر أبیك'' جیسے صریح لفظ کا استعمال فرمایا ہے۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو سنا کہ وہ زمانہ جاہلیت کے طرز پر کسی کو مدد کے لیے آواز دے رہا ہے تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا جا کر اپنے باپ کا عضوِ مخصوص کاٹ۔ (مسند أحمد: ۲۱۲۳۳-مجموع الفتاوی ۲۸/ ۴۲۲)

اہل علم کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق جو گزر چکی ہے عار دلانے اور آدمی کو اپنی اوقات یاد دلانے کے لیے شرمگاہ کے لفظ کا صراحتاً جہاں تذکرہ جائز ومباح تھا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امتیوں کے لیے اس کے جواز کا بیان فرمادیا مگر خود اپنی زبان مبارک سے پھر بھی ایسے الفاظ ادا نہیں فرمائے-بأبي أنت وأمي-

گویا یہ بات صاف ہوئی کہ یہ گالی نہ تھی، مگر عار دلانے کے باب میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ایسے شدید الفاظ اپنی زبان سے ادا نہیں فرمائے۔اس قدر واضح بات کے ہوتے ہوئے سلمان ندوی صاحب کا یہ دعوی کیا حیثیت رکھتا ہے: (آپ کو یہ اجازت ہے.....گالی دیجیے)؟؟؟ (فرمایا کہ اسے .....گالی دو) ؟؟؟ یہ دوہری جرأت ہے' پہلی جرأت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ تعلیم کو گالی سے تعبیر کرنا اور دوسری جرأت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف گالی دینے کا حکم منسوب کرنا۔

آل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مفروضہ ظلم کی داستان گوئی میں مصروف اور دہائی دینے والے سید صاحب غور فرمائیں یہ کیسی جفا ہے' بزعم خود اپنے جدامجد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ کیسا ظلم ہے؟

وظلم ذوي القربى أشد مضاضة
على المرء من وقع الحسام المهند
بڑا مزہ ہو جو محشر میں ہم کریں شکوہ
وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کے لیے

تیسرا مغالطہ: کیا اس حدیث کے مفہوم میں ماں بہن کی گالی والی بات ہے؟

سلمان صاحب نے اس باب میں سب سے بڑی جو جرأت کی ہے وہ ہے ایک ایسی گالی کا انتخاب جو کسی غنڈے موالی کی زبان سے بھی بری لگے' مولانا کی اپنے مخالفین سے دشمنی اور ناراضی اس مقام پر ہے کہ انہیں ہوش بھی نہیں کہ کیا بک رہے ہیں؟ عربوں کا یہ کہا سچ ہے ''حبك الشيء يعمي ويصم''. (یہ جملہ بطور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وارد ہے مگر روایت ضعیف ہے' دیکھیں: السلسلة الضعيفة: ١٨٦٨)

کسی اور نے یہ جرأت بلکہ جرم کیا ہوتا تو نہ جانے کیا کچھ ہو جاتا؟؟ ''ماں بہن کی گالی'' جیسے بازاری الفاظ کا تذکرہ کرتے ہوئے اور اس کی نسبت بنی آدم کی شریف ترین ہستی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے ذرہ برابر تردد نہ ہوا؟ ہونٹ نہیں کپکپائے؟ زبان نہیں

لڑکھڑائی؟؟؟ روز قیامت حاضری یاد نہیں آئی؟

یہ جرأت اس قدر سنگین ہے کہ تمہاری ساری نسبتیں، تمہارے سارے کارنامے اور تمہارے سارے واسطے وسیلے سب مٹی میں مل جائیں گے' سلمان صاحب! ذرا تنہائی میں خود احتسابی کے جذبے کو دعوت دیں اور توبہ کریں۔

واقعہ یہ ہے کہ اس ایک جملہ میں بھی دوہرا جرم ہے۔ پہلا جرم یہ کہ حدیثِ رسول کے مفہوم میں تحریف یا حدیث کے مفہوم میں اس بات کا اضافہ، اور دوسرا جرم یہ کہ جس من گھڑت بات کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب کی ہے وہ بات انتہائی بے ہودہ اور توہین آمیز ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ کوئی عالم دین اس قدر عقل کا مارا کیسے ہوسکتا ہے کہ ''ماں بہن کی'' گالی والی بات کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب کرے۔ عالم تو عالم ایک عامی سے بھی اس کی توقع فضول ہے۔ سچ کہیں تو ہمارا احساس ہے کہ اگر سلمان ندوی صاحب جوش میں ہوش نہ کھوتے تو شاید وہ بھی اس پر غور فرماتے مگر برا ہو عصبیت کا' اندھی عقیدت کا' طبیعت کے ہیجان کا اور تحریکی نشہ کا کہ پتا بھی نہ چلا کہ کیسی واہیات کہہ گئے؟

حضرت أبو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ:

إن العبد ليتكلم بالكلمة ما يتبين فيها يزل بها في النار أبعد ما بين المشرق والمغرب.

''کہ بندہ کبھی بنا سوچے سمجھے ایک کلمہ ایسا بول جاتا ہے جس کے نتیجہ میں جہنم کی اس قدر گہری کھائی میں گر پڑتا ہے جتنی مسافت مشرق ومغرب کے درمیان ہے۔'' (متفق علیہ واللفظ لمسلم)

سلمان صاحب کو چاہیے کہ وہ توبہ واستغفار کریں اور اعلان کردیں کہ مجھ سے اس حدیث کے سلسلے میں بڑی بھیانک بھول یا غلطی ہوگئی ہے' ورنہ اللہ نہ کرے کہیں وہ اس حدیث میں وارد وعید کے مستحق نہ بن جائیں۔

خاتمہ

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ سمجھنا آسان ہے کہ سلمان ندوی صاحب نے اس حدیث کے سلسلے میں جو غلطیاں کی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

ا۔ حدیث کے الفاظ میں متعدد باتوں کا اضافہ:

(۱) ....اور دشمن سے دوستیاں رچائے اور اپنوں پر ہاتھ ڈالے' اور جو اہل علم اور اہل دین ہیں ان کے پیچھے پڑے' ان کا تعاقب کرے' جو اس طرح کے کردار کا حامل ہو....

(۲) ...ان تمام! ان تمام بے غیرت اور خبیث حاکموں کو.....جنھوں نے جاہلیت کو اسلام کے بدلے لیا' جنھوں نے دوسروں کے قانون کو شریعت کے بدلے اختیار کیا' جنھوں نے اسلامی غیرت کے بدلے بے عزتی و بے حمیتی کو اختیار کیا....'')

(۳) ....حدیث کے الفاظ یا مفہوم میں ان الفاظ کا اضافہ (۔آپ کو یہ اجازت ہے....گالی دیجیے)

۲۔ مذکورہ اضافہ میں دو دو انتہائی گھناؤنی باتوں کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب! (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گالی دینے کا حکم دیا' اور وہ بھی ماں بہن کی گالی)

۳۔ حدیث کے ثابت اور صحیح الفاظ کو گالی پر محمول کرنا۔

مذکورہ تین باتوں میں سے تیسری ایک بات ایسی ہے جس کے سلسلے میں شاید کچھ مؤیدین ومعتقدین یا مریدین ومتوسلین زور لگائیں کہ حدیث کے مفہوم میں گنجائش نکال لی جائے، حالانکہ ان کے اور سلمان ندوی صاحب کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ اس کو ایک لغزش مان کر بات کو ختم کرلیں لیکن بقیہ باتیں ایسی ہیں کہ ان کے سلسلے میں سلمان ندوی صاحب سمیت ہر

مسلمان کو ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

۱۔ ان تینوں باتوں کی یا ان میں سے کسی ایک کی نسبت آئندہ کبھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھولے سے بھی نہ کریں اور اگر ماضی میں کر چکے ہیں تو پھر توبہ کریں۔

۲۔ آئندہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کسی بات کی نسبت کرنے سے پہلے اس کے مالہ وماعلیہ پر نظر ڈال لیں اور اگر کوئی ایسی بد احتیاطی کرے تو پھر ہم اپنے دین کے سلسلے میں کم از کم اس قدر محتاط ہو جائیں کہ ایسے لوگوں سے دین نہ لیں۔ امام ابن سیرین رحمہ اللہ کی یہ نصیحت یاد رکھیں:

إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم. (مقدمہ صحیح مسلم)

یہ علم تمہارا دین ہے لہٰذا دیکھ لو کہ تم اپنا دین کس سے لے رہے ہو۔

۳۔ مسلکی یا جماعتی اختلافات کی وجہ سے باہم ردوقدح تاریخ کا حصہ ہے مگر حدیث رسول کا معاملہ اس سے کہیں زیادہ حساس ہے۔ لہٰذا اس فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں۔

۴۔ حدیث رسول کے سلسلے میں درج ذیل قرآنی نصیحتیں یاد رکھیں:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ

''تم اللہ کے رسول کے بلانے کو ایسا بلاوا نہ کر لو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کا ہوتا ہے۔'' (سورۃ النور: ٦٣)

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿٧٩﴾

''ان لوگوں کے لیے ویل ہے جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ کے طرف کی کہتے ہیں اور اس طرح دنیا کماتے ہیں، ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان کی کمائی کو ہلاکت اور افسوس ہے۔'' (سورۃ البقرۃ: ٧٩)

** الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات **

ہماری مطبوعات

وقف لله تعالى لا يجوز بيعه

یہ کتاب اللہ کیلئے وقف ہے اسکا بیچنا جائز نہیں ہے

مرکز دار الہدی، اڈپی، ہند

DAR-UL-HUDA CHARITABLE TRUST ®

#1, First Floor, Himalay Pearl,
Udupi - Manipal Road, Kadiyali, Udupi,
Karnataka - India, Pin: 576102

Cell: +91 7337814400 - +91 9945565905
WhatsApp: +966 507472706
Email: dar_ul_hudaudupi@yahoo.com
Web: www.darulhudaudupi.org

@ DAR-UL-HUDA, UDUPI